مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

علمِ ہیئت کا ارتقاء اور اسلام

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاروں کی گردش سے متعلق باقاعدہ مشاہدات کی ابتداء عراق سے ہوئی۔ عراق میں اکثر مطلع صاف رہتا تھا۔ رات کو اکثر لوگ سیاروں کی چال اور حرکات کا مطالعہ کرتے اور اس میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیحؑ سے ہزارہا سال پیشتر یہ دریافت کر لیا تھا کہ سورج اور چاند کی طرح اور بھی بہت سے سیارے مشرق سے مغرب کو مصروفِ سفر رہتے ہیں۔ پانچ مشہور سیارے یعنی عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری اور زحل جنہیں خمسہ متحیرہ بھی کہتے ہیں ان کے علم میں آچکے تھے۔ وہ ان مختلف سیاروں کی چال سے رات کے اوقات کا صحیح صحیح تعین بھی کر لیتے تھے۔ اور رات کے وقت سفر کے دوران سمت کا تعین کرنے کے بھی قابل ہو چکے تھے۔

پہلا دور:

ان اجرامِ فلکی کے زمین پر بعض اثرات بالکل واضح تھے۔ مثلاً سورج کی وجہ سے دن رات پیدا ہوتے ہیں اور چاروں موسم وجود میں آتے ہیں۔ جن سے طرح طرح کی فصلیں اور پھل پکتے ہیں۔ زندگی کیلئے روشنی اور حرارت نہایت ضروری ہے جو ہمیں سورج سے حاصل ہوتی ہے۔ رات کو ہم چاند اور ستاروں سے روشنی حاصل کرتے اور ان کی چال سے رات کے اوقات کا تعین اور سفر کے دوران سمت معلوم کرنے میں مدد حاصل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس دور کے انسان نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ چاند جن دنوں میں زائد النور ہوتا ہے، پھلوں میں رس تیزی سے بڑھتا ہے۔ اور جب ناقص النور ہوتا ہے تو یہ رفتار بہت سست پڑ جاتی ہے۔ یہ اثرات تو بالکل بدیہی تھے لیکن انسان نے بعض توہمات کی بنا پر ان سیاروں کے انسان کی انفرادی زندگی پر بھی طرح طرح کے اثرات تسلیم کرنا شروع کر دیئے۔ وہ اپنی زندگی اور موت، مرض اور صحت اور ایسے ہی کئی دوسرے امور کو سیاروں کی چال سے منسوب کرنے لگا۔

ان توہمات اور گمراہیوں کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی بذریعہ وحی رہنمائی فرمائی اور اسی دور میں حضرت ادریس علیہ السلام (اصل نام اخنوخ ۔ تقریباً ۳۵۰۰ ق-م) کو مبعوث فرمایا۔ چونکہ یہ زمانہ ابتدائے آفرینش کا دور تھا، لوگوں کے علم نے ابھی کچھ ترقی نہ کی تھی ۔ لہٰذا حضرت ادریس علیہ السلام کو بذریعہ وحی چند مفید علوم سکھلائے گئے ۔ چنانچہ کپڑا بُننے اور لکھنے کے موجد اور استادِ اول آپ ہی ہیں ۔ منجملہ دیگر علوم کے آپ کو علمِ نجوم کی پوری ماہیت، سیاروں کی گردش اور کشش وغیرہ کا علم بھی عطا کیا گیا ۔ آپ علمِ ہندسہ اور علمِ حساب کے بڑے ماہر تھے ۔ ان علوم کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت اور تنفر بریں اتنے ماہر تھے کہ انہیں ہرمس الہرامسہؑ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ۔ آپ نے سیاروں سے متعلق لوگوں کے عقاید باطلہ کی پرزور تردید کی ۔ اور انہیں سمجھایا کہ یہ اجرام محض بنی نوع انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ انسان ان کا خادم نہیں ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان اجرام کے بغیر انسان کی زندگی ناممکن ہے ۔ جبکہ یہ اجرام انسانی زندگی سے پیشتر بھی اپنے فرائض کی بجا آوری پر مجبور و بے بس تھے ۔ گویا انسان کو اس کی عظمت ذہن نشین کرا کے ایسے حقیر توہمات سے نجات دلائی۔

علمِ ہیئت اور نجوم پرستی :

حضرت ادریسؑ کی رحلت کو ایک طویل دور گزر گیا تو سیاروں کی گردش کے انسان کی انفرادی زندگی پر اثرات کے توہمات پھر انسانی ذہن میں راہ پانے لگے ۔ حتیٰ کہ ۲۰۰۰ سال ق-م میں حضرت ابراہیمؑ اسی علاقہ میں مبعوث ہوئے تو یہ قوم پوری طرح نجوم پرست بن چکی تھی ۔ اس وقت شہر بابل عراق کا پایہ تخت اور نمرود حکمران تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اس سلطنت کے سب سے بڑے شاہی پروہت، نجوم پرست اور بت تراش "آزر" کے ہاں پیدا ہوئے ۔ آزر کا اصل نام تارخ تھا لیکن بت گری بت فروشی کے پیشہ کی وجہ سے آزر مشہور ہو گیا تھا ۔ ان دنوں مندروں میں دوسرے بتوں کے علاوہ سیاروں کے دیوتاؤں کی موہوم شکلوں کے مجسمے بھی رکھے جاتے اور ان کی پرستش کی جاتی تھی ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ہوش سنبھالا تو قوم کی اس نجوم پرستی اور بت پرستی پر آپ کی طبیعت سخت بیزار ہوئی ۔ سیاروں کے ایسے اثرات کو تسلیم کرنے پر آپ کی طبیعت قطعاً آمادہ نہ ہوتی تھی۔ آپ نے پہلے کسی سیارے کا غور سے مطالعہ اور مشاہدہ کیا، پھر چاند اور اس کے بعد سورج کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ۔ اس مطالعہ نے آپ کو سیاروں کے اثرات سے بغاوت پر آمادہ کر دیا ۔ آپ نے دیکھا کہ یہ اجرام خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے، اپنے فرض کی ادائیگی میں مجبور و بے بس ہیں، ان کا اپنا ذرہ بھر بھی اختیار نہیں ہے ۔ آپ سوچتے تھے کہ بھلا ایسی مجبور و بے بس اشیاء خدائی اختیارات کی حامل کیونکر ہو سکتی ہیں ؟

(حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

آپ نے یہ بھی دیکھا کہ یہ ستیارے رات کو طلوع و غروب ہوتے رہتے ہیں۔ اور جو چیز میرے پاس موجود نہیں رہ سکتی بلکہ غائب یا نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے وہ میری حفاظت کیسے کر سکتی ہے؟ اور میرا کیا بگاڑ یا سنوار سکتی ہے؟ چنانچہ آپ کی طبیعت اس جستجو میں رہتی کہ ایسی ذات کا پتہ لگائیں جو ان اجرام کی اور خود ہماری بھی نگران اور مربی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اور بذریعہ وحی اس اضطراب کو دُور کر کے یقینی علم عطا فرمایا۔ بقول ارشاد باری تعالیٰ:

"وکذالک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض ولیکون من الموقنین"!

"اسی طرح ہم نے ابراہیم کو کائنات کے عجائبات دکھلا دیئے تاکہ اسے یقینی علم حاصل ہو"!

چنانچہ حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم ہیئت کی حقیقت سے بذریعہ وحی کلی طور پر آگاہ کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے علی الاعلان ان عقاید باطلہ اور نجوم پرستی کی مخالفت اور تردید شروع کی۔ اور ردِ عمل کے طور پر باپ نے آپ کو گھر سے نکال دیا اور قوم نے ملک بدر کر دیا۔ مگر جہاں کہیں بھی آپ گئے، اپنا مشن اور توحید کا درس جاری رکھا۔

آپ کی قوم میں انفرادی زندگی پر ستیاروں کے اثرات کا عقیدہ اتنا راسخ ہو چکا تھا کہ ہر کام میں سیاروں کی چال ملاحظہ کر کے ان سے اچھے اور بُرے نتائج اخذ کرتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

ایک دفعہ قوم نے نوروز کے دن (جو ان کے ہاں بڑا متبرک دن تھا جبکہ سورج برج حمل میں داخل ہوتا ہے) ان بتوں کے حضور نذر و نیاز پیش کرنے کے بعد ایک میلہ پر تفریحی تقریبات منانے کا پروگرام بنایا۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیچھے چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ کیونکہ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کچھ خطرہ بھی تھا۔ جب ان لوگوں نے آپ کو ساتھ چلنے پر مجبور کیا تو آپ کو ایک ترکیب سُوجھ گئی۔ آپ نے فوراً سیاروں کی طرف توجہ کی اور فرما دیا کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں، تمہارے رنگ میں بھنگ پڑ جائیگا۔ یہی ایک ترکیب ان لوگوں کی نظر میں کامیاب ہو سکتی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ چار و ناچار آپ کو پیچھے چھوڑ کر میلہ پر چلے گئے۔

بعد میں وہی کچھ ہوا جس کا انہیں خطرہ تھا۔ آپ نے تبر لے کر تمام دیوتاؤں کو پاش پاش کر دیا۔ سب سے

لہ (حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہرمس سکندر رومی کی مجلس علمی کا قائد تھا۔ یہ ایک عظیم فلاسفر اور حکیم تھا۔ جب دربار میں کھڑے ہو کر اس مجلس کے سامنے تقریر کرتا تو ایسے رموز و نکات بیان کرتا کہ اہلِ مجلس اس کی عقل و دانش پہ مبہوت رہ جاتے تھے۔ یونانی حکماء اس پر بہت رشک کیا کرتے تھے۔

بڑے بت کو اس لئے چھوڑ دیا کہ یہ بڑا خدا اپنے پجاریوں کو صحیح صورتِ حال سے مطلع کر سکے گا۔ چنانچہ آپ تبر اس کے کندھے پر رکھ کر چلے گئے۔ یہ کارنامہ اس قوم اور اس کے خداؤں سب کیلئے کھلا ہوا چیلنج تھا۔ مگر یہ تمام دیوتا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ تاہم ذہنی طور پر شکست خوردہ اس قوم نے اپنے دیوتاؤں کی وکالت کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس جرم کی پاداش میں آگ میں زندہ جلا دینے کا انتظام کیا۔ لیکن اس حقیقی خدا نے جس پر آپ ایمان رکھتے تھے، آپ کو آگ سے زندہ و سلامت نکال لیا۔ یہ واقعہ قوم کیلئے دوسرا بڑا چیلنج تھا لیکن ان کی بے بسی نے ان کو سرنگوں کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول وعمل سے بت پرستی اور نجوم پرستی کے خلاف مہم چلائی تھی، وہ کامیاب رہی اور ایسے عقاید ایک طویل مدت کے لئے بالکل سرد پڑ گئے۔

علمِ ہیئت سے متعلق معلومات، مشاہدات اور توہمات کا یہ سب سے پہلا اور طویل دور ہے جو تقریباً ۷۰۰ ق۔م تک پہنچتا ہے۔ اس دور میں کسی رصدگاہ یا دُوربین کا وجود نہ تھا۔ لہٰذا اس علم کی بنیاد عام انسانی مشاہدہ کے مطابق تھی۔ یعنی اس نظریہ کے مطابق زمین کو ساکن اور سورج کو متحرک تصور کیا جاتا تھا۔

دوسرا دور۔ حرکتِ زمین اور سکونِ شمس کا نظریہ:

عراق کے بعد اہلِ یونان نے علمِ ہیئت میں خاصی دلچسپی لی۔ یونان کے فلاسفر ان مشاہدات سے ماخوذ نتائج کو ایک باقاعدہ علم اور نظریہ کے طور پر پیش کرنے لگے۔ سب سے پہلے یونان کے ایک حکیم فیثاغورث نے یہ نظریہ پیش کیا کہ سورج متحرک نہیں بلکہ ساکن ہے۔ فیثاغورث ۵۹۰ ق۔م میں شہر صور میں پیدا ہوا۔ یہ ایک عظیم مفکر اور فلاسفر تھا جس نے دیگر کئی علوم کے علاوہ علمِ ہندسہ اور علمِ نجوم میں مہارت حاصل کی۔ علمِ ہیئت کے متعلق فیثاغورث کی تحقیقات یونان میں اس قدر مقبول ہوئیں کہ اس نظریہ کی باقاعدہ درس و تدریس شروع ہو گئی۔ اس نظام میں سورج کو ساکن اور مرکز قرار دیا گیا۔ جس کے گرد ہماری زمین اور صدہا دوسرے سیارے گردش کرتے ہیں۔ ان سیاروں کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا۔ پہلی قسم میں معروف سیارے عطارد، زہرہ، مریخ وغیرہ شامل تھے۔ دوسری قسم ثانوی سیارچوں کی تھی جنہیں ہم چاند کہتے ہیں جو سیاروں کے گرد گھومتے ہیں۔ تیسرے دنبالہ دار (دمدار سیارے) (COMMETS) کہلاتے ہیں جو بیضوی مدارات پر طولانی گردش کرتے ہیں۔

اس نظام میں ہمارے نظامِ شمسی کو ایک وحدت یا مملکت قرار دیا گیا ہے اور یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ سورج کی طرح اور بھی بے شمار ثوابت (ستارے، سورج کی طرح کے مرکز) اس کائنات میں موجود ہیں۔

اور ان کے گرد بھی مذکورہ بالا تینوں اقسام کے سیارے گردش کر رہے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس دور کے ہیئت دانوں نے یہ نظریہ بھی پیش کیا کہ عین ممکن ہے، ان بے شمار ستاروں (ثوابت۔ سورج یا مراکز) کے واسطے کوئی بہت بڑا ستارہ موجود ہو جس کے گرد تمام سورج (نو ستارے) اپنے اپنے نظامِ شمسی سمیت گردش کر رہے ہوں۔ ایسے بہت بڑے ستارے کو ثابتہ الثوابت یا شمس الشموس کا نام دیا جاسکتا ہے۔ جس کے گرد تمام ستارے اپنی اپنی شان و شوکت کے ساتھ گردش کر رہے ہوں۔ یہ نظریہ یونان میں بیحد مقبول ہوا اور افلاطون اور ارشمیدس نے بھی یہی رائے پسند کی تھی۔

تیسرا دور۔ حرکتِ شمس اور سکونِ زمین کا نظریہ:

بعد ازاں چوتھی صدی ق۔م میں بطلیموس فلاسفر نے علم ہیئت کے متعلق وہی پہلا نظریہ پیش کیا۔ یہ علمِ ہندسہ، ہیئت اور نجوم میں استادِ وقت اور یکتائے روزگار تھا۔ اس نے اجرامِ فلکی کی تحقیقات کیلئے ایک رصد بھی تیار کی تھی اور ان علوم پر بہت سی کتب تصنیف کیں۔ علمِ ہیئت میں اس کی کتاب مجسطی نہایت معتبر سمجھی جاتی ہے۔

اس نظام میں زمین کو ساکن اور مرکزِ عالم قرار دیا گیا ہے۔ اس نظام کے مطابق ۱۲ کرے متصور کیے گئے ہیں۔ چار کرے تو عناصر پر مشتمل ہیں۔ کرۂ خاک جو ہماری زمین ہے۔ کرۂ آب جو کرۂ خاک کو پوری طرح محیط نہیں بلکہ کرۂ خاک کے ۴/۳ حصہ پر محیط ہے۔ اور یہ دونوں کرے مل کر دراصل ایک ہی کرہ بنتا ہے اس کے اوپر کرۂ ہوا اور پھر چوتھے نمبر پر کرۂ حرارت ہے۔ ان چار کروں کے بعد کرہ ہائے افلاک شروع ہو جاتے ہیں۔ پہلے فلک پر چاند، دوسرے پر عطارد، تیسرے پر زہرہ، چوتھے پر سورج، پانچویں پر مریخ، چھٹے پر مشتری اور ساتویں پر زحل ہے۔ گویا سات آسمانوں کو سات سیاروں سے منسوب کیا گیا ہے۔ آٹھویں فلک کو فلکِ ثوابت قرار دیا گیا ہے جسے فلک البروج بھی کہتے ہیں۔ علمائے ہیئت نے اس آٹھویں آسمان کے دائرہ کو ۱۲ حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کو ایک برج قرار دیا ہے۔ اس دائرہ کو منطقۃ البروج (ZODIAC) کہتے ہیں۔ اس آٹھویں فلک پر ایک فرضی گول خط کھینچا گیا ہے۔ جو زمین پر واقع خطِ استوار کے بالکل سیدھ میں ہے اور اس خط کو معدل النہار کہتے ہیں۔ منطقۃ البروج اس معدل النہار کو قطع کرتا ہے۔ جب آفتاب ان دو مقاماتِ تقاطع پر سے گزرتا ہے تو دن رات برابر ہوتے ہیں۔ یعنی ایک بار برج حمل میں دوسری بار برج سنبلہ میں۔ معدل النہار اور منطقۃ البروج کی یہ شکل ہے:

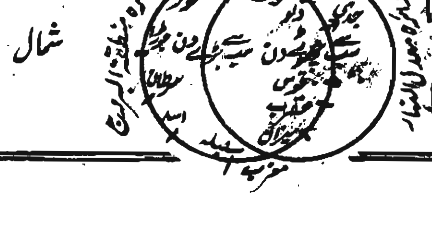

فلکِ نہم تمام آسمانوں پر محیط ہے۔ اسے فلک اطلس بھی کہتے ہیں۔ اگرچہ ہر فلک کی جداگانہ حرکت ہے مگر آٹھوں آسمان اور ساتوں سیارے فلک نہم کی حرکتِ وضعی سے وابستہ ہیں اور ساتوں سیاروں کی حرکت سالانہ ہر ایک فلک کی حرکتِ خاص سے تعلق رکھتی ہے۔

فلک البروج کے ۱۲ حصے یا ۱۲ بروج ہیں۔ جو دراصل ستاروں کے جھرمٹ یا مجمع النجوم . . . . (CONSTALATIONS) ہیں جنہیں دیکھنے سے ایک مخصوص تصور یا شکل ذہن میں آجاتی ہے۔ ان برجوں کے نام اور اشکال کو بوجہ طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے (اکثر جنتریوں پر یہ تفصیل موجود ہوتی ہے) برجوں کی تقسیم کے علاوہ اس فلک کو ۲۸ منازل میں بھی تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک برج کی لمبائی ۳۰ درجے ہے۔ تو ایک منزل کی اوسطاً تقریباً ۱۳ درجے ہے۔ یہ منازل قمر کہلاتی ہیں۔ گویا یہ چاند کا تقریباً ایک دن کا سفر ہے۔ ان منازل کے نام اور تفصیل بھی بوجہ طوالت نظر انداز کی جاتی ہے۔

یونان میں فیثا غورث کے نظریہ کے بعد جلد ہی تقریباً ڈیڑھ صدی بعد یہ نظریہ علم ہیئت مقبول ہونے لگا۔ چنانچہ فلاسفر ارسطو اور برخس وغیرہ جو بطلیموس کے پیش رو تھے، اسی نظریہ کے قائل تھے اور انہی علمائے ہیئت کی مدد سے بطلیموس نے یہ نظریہ مرتب کیا تھا جو چار دانگ عالم بہت مقبول ہوا۔ مصر، یونان، ہند وغیرہ سب ممالک میں اس نظریہ کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ تک بھی اس کی تعلیم دی جاتی رہی ہے۔ ایران، عرب، ترکی اور روم میں اب تک جاری ہے۔ ہندوستان میں آج تک جنتریاں وغیرہ اسی نظام کے تحت مرتب کی جاتی ہیں۔

یہ نظریہ ہیئت نہ صرف علمی حیثیت سے بڑھ کر نجوم پرستانہ عقائد بھی اپنے ساتھ لایا۔ فلک اور سیاروں کی گردش کے مخصوص اثرات تسلیم کر لیے گئے جو انسانی زندگی پر ہر وقت پڑتے ہیں۔ بعض ممالک میں ان سات سیاروں کو دیوتاؤں کا درجہ دیا گیا۔ ہفتہ کے دنوں کے نام انہی سات سیاروں کے نام پر رکھے گئے۔ انسان ان سیاروں کو معبود اور دیوتا سمجھ کر انہیں خوش رکھنے کیلئے ان کے حضور نذر و نیاز اور قربانیاں پیش کرنے لگا اور ان کی ناراضگی سے ڈرنے لگا۔ اہل ہند اور اہلِ یونان و روم ان معتقدات میں سب سے بڑھے ہوئے تھے چنانچہ ہفتہ کے دنوں کے ناموں سے یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی ہے۔

انگریزی زبان میں اتوار کو سنڈے (SUNDAY) سورج دیوتا کا دن، سوموار کو منڈے (MONDAY) چاند دیوتا کا دن کہا جاتا ہے۔ مریخ (MARS) کے دیوتا کا نام WEDEN رکھا گیا اور اسی نسبت سے بدھ کو (WEDNESDAY) کہتے ہیں۔ WEDEN دیوتا کا ایک بیٹا تسلیم کیا گیا جو گرج یا رعد کا دیوتا تھا اسے مشتری کا دیوتا قرار دیا گیا اور اسی نسبت سے جمعرات کو THURSDAY

کہتے ہیں۔ WEDEN کی بیوی کا نام فرگ (FRIGG) یا فرگا (FRIGGA) تجویز ہوا - ا سے جونو (JUNO) بھی کہتے ہیں - یہ زہرہ سیارہ کی دیوی تھی اور اسی نسبت سے جمعہ کے دن کو (FRIDAY) کہا جانے لگا۔ زہرہ کا مالک دیوتا کی بجائے دیوی (مؤنث) تجویز کرنے کی شاید یہ وجہ ہو کہ زہرہ کو ایک خوبصورت سیارہ تصور کیا جاتا ہے - زحل کو انگریزی میں (SATURN) کہتے ہیں۔ یہی اس کے دیوتا کا نام تھا اور اسی نسبت سے ہفتہ کے دن کو (SATURDAY) کہتے ہیں۔

ہند کے لوگ ان معتقدات میں اہل مغرب سے بھی کچھ آگے بڑھ گئے تھے - ان کے ہاں بھی ہفتہ کے دنوں کے نام سیاروں کے نام پر رکھے گئے۔ مثلاً زحل کو سنیچر کہتے ہیں تو اس سے ہفتہ کا نام سنیچروار رکھا گیا۔ اس ستارہ کو منحوس تصور کیا جاتا ہے - پھر ہر انسان کے نام سے اس کی کسی مخصوص سیارہ سے نسبت قائم کی گئی۔ گویا اس انسان پر اس منسوب سیارہ کے اثرات دوسرے سیاروں کی نسبت زیادہ تسلیم کئے جاتے تھے - اسی طرح زہرہ سیارہ کو شکر کہتے ہیں تو جمعہ کا نام شکروار مشہور ہوا۔ مشتری کو ہندی میں برہسپت کہتے ہیں۔ جمعرات کا دن اس ستارہ کا دن تسلیم کیا گیا - اور اسے برہسپتوار یا وبروار کہتے تھے - یہ ستارہ سعد اکبر تسلیم کیا جاتا ہے - گویا جس شخص کی اس سیارہ سے نسبت ہے وہ نیک بخت ہوگا۔ عطارد سیارہ کو بدھ اور اس کے دن کو بدھ وار کہتے ہیں - اس سیارہ کا تعلق رکھنے والا علم و دانش سے بہرہ ور ہوگا - مریخ کو منگل کہتے ہیں - اس ستارہ کو بھی منحوس تصور کرتے ہیں - اور منگل کا دن اسی سیارہ سے منسوب ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس سوموار کا دن چاند سے منسوب ہے اور ایسے شخص میں جو اس سے تعلق رکھتا ہے، نرمی اور جمال پایا جاتا ہے - اتوار سورج کا دن ہے - اور اس سیارہ سے تعلق رکھنے والا شخص عموماً بہادر اور پرشکوہ ہوتا ہے -

مزید ستم یہ ہوا کہ انفرادی اثرات کے علاوہ ان سیاروں کے زمین اور اہل زمین پر مجموعی اثرات بھی معتقدات میں شامل ہوگئے - مثلاً دولت، زراعت، معدنیات اور کپڑے کا مالک سورج کو تسلیم کیا گیا۔ مشتری یعنی برہسپت کو سیلاب اور بادلوں کا مالک، مریخ یعنی منگل کو پھلوں کے رسوں کا مالک، زحل یعنی سنیچر کو غلہ کا مالک اور عطارد یعنی بدھ کو تمام پھلدار درختوں اور پودوں کا مالک سمجھا جانے لگا۔ ان معتقدات کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم ہیئت کے علاوہ ایک دوسرا علم، جو علم نجوم یا علم جوتش کے نام سے مشہور ہوا بہت زیادہ فروغ پاگیا - بادشاہ اور حکمران لوگ کسی بھی مہم اور سفر پر روانہ ہونے سے پیشتر نجومیوں سے زائچے تیار کروا کر یہ معلوم کرتے تھے کہ ان کا یہ سفر یا مہم کن حالات پر منتج ہوگی - لوگوں کی دلچسپی بڑھتی گئی اور پیشہ ور نجومیوں کی ایک فوج ظفر موج پیدا ہوگئی جو لوگوں کے زائچے تیار کرکے انہیں یہ خبر

بہم پہنچانی اور غیب کی خبریں مہیا کرنے لگی - آج کل بھی ہماری زبان میں ایسے بیشمار محاورات زبان زد ہیں جو ان معتقدات پر روشنی ڈالتے ہیں - مثلاً "ستارۂ قسمت کا گردش میں ہونا"، "فلکِ کج رفتار کی چیرہ دستی" وغیرہ - حتیٰ کہ ہمارے شعر و ادب میں بھی یہ معتقدات نفوذ کر گئے - بقولِ غالب ؎

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا ؟

غرض ہمارے شعر و ادب اور روزمرہ میں ایسی بیشمار مثالیں ملتی ہیں -

مسلمانوں نے اپنے دورِ تمدن میں علمِ ہیئت کو پورے عروج پر پہنچایا - مشہور مستشرق فلپ کے حتی (PHILLIP-K-HITTI) اعتراف کرتا ہے کہ :

"عربوں نے علم طب ہیئت، ریاضی اور کیمیا میں نمایاں کردار ادا کیا ہے - عربوں نے سائنس کے علم میں تجرباتی اصول سے کام لیا ہے جو یونانیوں کے نظریاتی اصول کے مقابلہ میں ایک نمایاں ترقی تھی -"

مشہور جغرافیہ دان ابن موسیٰ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا تھا جس سے کرۂ ارض کی پیمائش کی جا سکتی تھی - ولیم ڈریپر (WILLIAM DRAPER) لکھتا ہے کہ :

"یورپ میں سب سے پہلی رصدگاہ (OBSERVATORY) اسپین میں تعمیر ہوئی جو مسلمانوں نے تعمیر کی تھی -"

اسلام سیاروں کے اثرات، علمِ جوتش کا قائل نہیں ہے - لہٰذا مسلمان ہیئت دانوں نے اس پہلو کو مطلق قبول نہیں کیا - ہمارے ہاں جو اس قسم کے لغویات پائے جاتے ہیں تو یہ ہندو تہذیب کا اثر ہے - عربی زبان میں ہفتہ کے دنوں کے ناموں کا بھی سیاروں سے کچھ تعلق نہیں ہے !

(جاری ہے)

تصحیح ضروری :

جلد نمبر ۹ شمارہ ۲،۶ ۷۸ء - مئی جون ۱۹۷۸ء شمارہ کے صفحہ ۱۵ پر :
"جان بوجھ کر ایک نماز قضا کرنے والا . . ." کی بجائے غلطی سے
"جان بوجھ کر ایک نماز قائم کرنے والا . . ." کتابت ہو گیا ہے،

قارئین کرام تصحیح فرما لیں - والسلام ! (ادارہ)